5

جدید ہندوستان

ہمارے ملک کی تاریخ کو محفوظ طور پر قدیم، وسطیٰ اور جدید ادوار میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ قدیم دور کا آغاز بہت پہلے اس وقت ہوا تھا، جب انسان نے اس زمین پر رہنا شروع کیا تھا۔ اس سے قبل کے ایک سبق میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ قرون وسطیٰ کے ہندوستان میں یعنی آٹھویں صدی عیسوی سے اٹھارہویں صدی کے آغاز تک کیا واقعات پیش آئے۔ اب ہم تاریخ کے جدید دور کے بارے میں پڑھیں گے۔ گذشتہ دو ادوار کے دوران آپ کو سماج، معیشت، سیاسی نظام اور ثقافت میں یقیناً فرق نظر آیا ہوگا۔ یہ فرق، جنھیں ہم پیش رفت، ترقی یافتہ، مسلسل اور بہت ہی تیز رفتار سے اضافہ کہہ سکتے ہیں اور یہ ہماری زندگیوں پر گہرا اثر ڈالتے ہیں۔

آپ کو یاد ہوگا کہ ہندوستان کے باہر سے آنے والی قوموں مثلاً ترکوں، افغانوں اور مغلوں نے اس ملک کو اپنا وطن بنا لیا، لیکن برطانوی نوآبادکار حکمراں اس ملک کے لیے ہمیشہ ہی غیرملکی بنے رہے۔ اس کے باوجود انھوں نے اپنے مفادات کی خاطر گہری سماجی، معاشی اور سیاسی تبدیلیاں کیں اور اس عمل کے دوران ہندوستانی ثقافت کے کئی پہلوؤں پر گہرے اثرات چھوڑے۔ اگر آپ نئی دہلی میں راشٹرپتی بھون کو دیکھیں تو آپ کو ہندوستانی فن تعمیر پر برطانوی اثر کی گہری چھاپ صاف طور پر نظر آئے گی۔ یہ نمونہ آپ کو کولکاتہ، ممبئی اور ملک کے دوسرے حصوں میں بنی کئی عمارتوں میں نظر آئے گا۔ یہ سب کچھ اب ہمارے ثقافتی ورثہ کا ایک حصہ ہے۔ فنِ تعمیر کی ان باقیات کے علاوہ، نوآبادکار حکومت، گورنمنٹ کا ایک یکساں نظام، مغربی سائنسی، تصورات اور فلسفوں پر مبنی تعلیم کا نظام بھی چھوڑ گئی۔ آپ کے لیے یہ جاننا انتہائی دلچسپ ہوگا کہ ان سماجی اور مذہبی اصلاحی تحریکوں نے، جن کا آغاز انیسویں صدی عیسوی میں ہوا تھا، جدید ہندوستان کی تعمیر میں بھی مدد دی۔ ہندوستانی زبانوں میں جدید ادب انگریزی تعلیم سے گہرے طور پر متاثر ہوا اور اس کے ذریعہ مغرب کے تصورات اور مکاتبِ فکر کے ساتھ ہندوستان کا قریبی رابطہ بنا۔

مقاصد

اس سبق کو پڑھنے کے بعد آپ:

- ان واقعات سے واقف ہوسکیں گے جو اٹھارہویں صدی عیسوی کے دوران مغرب میں رونما ہورہے تھے اور ہندوستان پر ان کا کیا اثر ہوا؛
- اٹھارہویں صدی عیسوی کے ہندوستانی کے اختتامی برسوں میں ہوئی تبدیلیوں کے بارے میں بتا سکیں گے؛
- اس مدت کے دوران ہندوؤں اور مسلمانوں کی سماجی حیثیت کی پرکھ کرسکیں گے؛
- راجہ رام موہن رائے اور سوامی دیانند سرسوتی اور دوسرے سماجی اور مذہبی اصلاح کاروں کے کاموں کے بارے میں جان سکیں گے؛
- عوام کے درمیان قوم پرستی کے جذبہ کو ابھارنے میں پریس اور اخبارات کے رول کو سمجھ سکیں گے؛
- ہندوستان کی جدوجہد آزادی سے واقفیت حاصل کرسکیں گے۔

5.1 مغرب کی ترقی اور ہندوستان پر اس کا اثر

1450ء کے بعد تین اہم واقعات رونما ہوئے، جنھوں نے یوروپ پر انتہائی گہرا اثر ڈالا۔ یہ واقعات تھے (i) پرنٹنگ پریس کی ایجاد، (ii) نشأۃ ثانیہ کا آغاز اور اس کا پھیلاؤ اور اصلاحی تحریکیں اور، (iii) نئے تجارتی راستوں کی دریافت۔ اس کے بعد یوروپ نے سائنس، تحقیق و تفتیش اور آتشیں اسلحہ سازی مثلاً توپ سازی میں تیز رفتار ترقی کی۔ اس کے فوراً بعد ان کی برّی اور بحری افواج دنیا کی سب سے بہتر افواج بن گئیں۔ چنانچہ منطق اور استدلال وہ کسوٹی بن گئی، جن پر پرانے عقائد اور علم وفضیلت کو پرکھا جانے لگا۔

ان یوروپی ملکوں میں پہلے پرتگالی، پھر ڈچ اور فرانسیسی اور آخر میں برطانوی ہندوستان سے تجارت پر کنٹرول کی دوڑ میں جٹ گئے۔ برطانوی نہ صرف تجارت کو بلکہ اس ملک پر بھی کنٹرول کرنے میں بالآخر کامیاب ہوگئے اور تقریباً دوصدیوں تک ہندوستان پر ان کا اقتدار برقرار رہا، جس میں اس کے تمام انسانی وسائل کا بے رحمی اور چالاکی سے استحصال کیا گیا اور حکمراں ملک کے فائدے کے لیے اس کی دولت کو لوٹ لیا گیا۔ اپنے مفادات کو مزید آگے بڑھانے کے لیے برطانیوں نے ہندوستان میں موجود سماجی اور سیاسی صورت حال کا فائدہ اٹھایا، جہاں مغل سلطنت کے زوال کے بعد بڑی تعداد میں ریاستیں وجود میں آگئیں تھیں۔ برطانوی نے اس صورت حال کا فائدہ اٹھایا اور ایک حکمراں کو دوسرے حکمراں کے خلاف لڑایا یا ان کی مدد وحمایت کی جو تخت پر ناجائز طور پر قبضہ کرنے کے متلاشی تھے۔ میسور کے ٹیپو سلطان کو کہ برطانوی اصولوں

نوٹس

کا ہی استعمال کرتے ہوئے یعنی برطانیوں اور فرانسیسیوں کے درمیانی چپقلش کا فائدہ اٹھاتے ہوئے برطانیوں کی مزاحمت کرنے کی کوشش کی، لیکن وہ برطانیوں کی بہتر سیاسی چالوں اور طاقتور اسلحہ خانے کا مقابلہ نہیں کر پایا۔

ہندوستان پر برطانوی قبضہ یکے بعد دیگرے کئی مرحلوں میں عمل پذیر ہوا۔ اس کا پہلا مرحلہ ہندوستانی تجارت کو اپنے کنٹرول میں لینا تھا۔ وہ ہندوستانی مصنوعات کو بہت کم داموں پر خریدتے تھے اور انھیں مغربی منڈیوں میں بہت زیادہ قیمتوں پر فروخت کرتے تھے۔ اس طرح وہ کسانوں کو کچھ بھی دیے بغیر بھاری منافع کماتے تھے۔ اس میں ہندوستانی سیٹھ اور گماشتے ان کی مدد کرتے تھے۔ برطانوی قبضہ کا دوسرا مرحلہ یہ تھا کہ انھوں نے پیداواری سرگرمیوں پر اس انداز میں کنٹرول کیا کہ وہ ان کے برآمدی مقاصد کے لحاظ سے موزوں رہے۔ اس عمل کے دوران انھوں نے ہندوستانی صنعتوں کو پوری طرح سے تباہ کر دیا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ ہندوستان ان کی مصنوعات کا بڑا خریدار تھا۔ تیسرا مرحلہ برطانوی سامراجیت اور نو آبادکاری استحصال کا تھا جب برطانیہ نے برطانوی معاشی مفادات کو پورا کرنے کے لیے ہندوستان پر قبضہ کر لیا۔

برطانوی تجارت کے ذریعہ ہندوستان سے منافع کمانے کے لیے آئے تھے۔ دھیرے دھیرے وہ یہاں اپنا سیاسی اور معاشی کنٹرول بنانے لگے۔ 1757 میں پلاسی کی جنگ کے بعد وہ بنگال کے حقیقی مالک بن گئے۔ انھوں نے اپنی تجارت اور اپنی غیر ملکی مصنوعات کی برآمد میں اضافہ کرنے کے لیے بنگال پر اپنا سیاسی کنٹرول قائم کر لیا۔ انھوں نے تجارت میں ہندوستانی اور غیر ملکی حریفوں کا صفایا کر دیا تاکہ اس میدان میں ان کا مقابلہ کرنے والا کوئی نہ رہے، انھوں نے خام کپاس کی فروخت پر اجارہ داری قائم کر لی اور بنگال کے بُنکروں کو انتہائی اونچے داموں پر کپاس خریدنے پر مجبور کر دیا۔ انھوں نے ہندوستانی مصنوعات کے برطانیہ میں داخلے پر بھارے محصول عائد کر دیے تاکہ وہ اپنی خود کی صنعت کو محفوظ کر سکیں۔

یوروپ میں صنعتی انقلاب کی آمد کے ساتھ ہی ہندوستانی صنعت کو انتہائی مشکل حالات کا سامنا کرنا پڑا۔ 1813 تک ہندوستانی دستکاری گھریلو منڈی کے ساتھ ساتھ بیرونی منڈیوں سے بھی محروم ہو گئے۔ ہندوستانی مصنوعات برطانیہ کی فیکٹریوں میں بنی مصنوعات کا مقابلہ نہیں کر سکیں، جہاں ان کو تیار کرنے کے لیے مشینوں کا استعمال کیا جاتا تھا۔

دوسری طرف انگریز سوداگروں نے بے شمار دولت جمع کر لی، جس سے انھوں نے تجارت اور صنعتوں میں سرمایہ کاری کی۔ ایسٹ انڈیا کمپنی نے ان کی صنعتی بنیاد کو مالیات فراہم کرنے اور وسعت دینے میں مدد کی۔ اس مدت کے دوران انگلینڈ میں مینوفیکچرروں کا ایک طبقہ تھا جو تجارت سے زیادہ مصنوعات سازی سے منافع کماتا تھا۔ برطانوی مینوفیکچرروں نے کمپنی کے خلاف مہم شروع کر دی۔ انھوں نے کمپنی کی اجارہ داری اور اس کو ملی مراعات کی مخالفت شروع کر دی۔ بالآخر 1813 میں وہ ہندوستانی تجارت پر ایسٹ انڈیا کمپنی کی

نوٹس

اجارہ داری کو ختم کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ اس کے ساتھ ہی ہندوستان صنعتی انگلینڈ کی ایک معاشی نوآبادی بن کر رہ گیا۔

اس کے نتیجہ میں ہندوستان کی ہاتھ کی بنی ہوئی مصنوعات کو خاتمہ کا سامنا کرنا پڑا کیونکہ برطانیہ کی مشینوں کے ذریعہ تیار کردہ مصنوعات سستی تھیں۔ ان مصنوعات کو ہندوستان میں یا تو مفت داخلہ ملتا تھا یا ان پر محصول کی شرح برائے نام ہوتی تھی۔ ہندوستانیوں کی جدید کاری کرلی گئی تھی تاکہ وہ مغربی مصنوعات کے لیے خواہش پیدا کرسکیں اور ان کو خریدیں۔ برطانویوں کے استحصال کے نتیجہ میں ہندوستانی صنعت کو کافی نقصان پہنچا جنھیں ہندوستانی تجارتی مفادات کی قطعی پرواہ نہیں تھی۔ انھوں نے نہ تو ہندوستانی تجارتی مفادات کا تحفظ کیا اور نہ ہی اس مدت کے دوران ملک میں کسی طرح کی جدید تکنالوجی کو رائج کیا۔ جب غیر ملکی مصنوعات کو اس ملک میں مفت داخلہ ملنے لگا تو ہندوستانی دستکاری کو زبردست دھکہ پہنچا۔ دوسری طرف جب ہندوستانی دستکاری برطانیہ پہنچتی تھی تو ان پر بھاری ٹیکس عائد کیے جاتے تھے۔ ہندوستانی چینی ملوں کا مال جب برطانیہ پہنچتا تھا تو اس پر اصل قیمت سے تین گنا زیادہ ٹیکس وصول کیا جاتا تھا۔ چنانچہ ہندوستان سے تجارت عملی طور پر رک گئی۔

1813 تک ہندوستان برطانوی مصنوعات کا ایک بہترین صارف اور خام موادوں کا ایک وافر فراہم کنندہ بن چکا تھا۔

برطانیہ چونکہ ہندوستان کا کاروباری فائدوں کے لیے استحصال کرنا چاہتا تھا یعنی خام موادوں کو خرید کر اور تیار مصنوعات کو اس ملک میں فروخت کرکے اس کی صنعت اور معیشت کو برباد کرنا چاہتا تھا اس لیے اس نے ہندوستان میں بھاپ سے چلنے والے بھری جہازوں اور ریلوں کی شروعات کی۔ ریلوے نے انگریزوں کے لیے ایک وسیع وعریض منڈی کھول دی اور بحری جہازوں نے خام موادوں کی بیرونی ملک برآمد کو آسان بنادیا۔

کیا آپ جانتے ہیں کہ عوام کے استعمال کے لیے پہلی ٹرین 1853 میں بمبئی سے تھانے کے لیے چلائی گئی تھی؟ ریلوے نے خام مواد پیدا کرنے والے علاقوں کو برآمد بندرگاہوں سے جوڑ دیا۔ اس کے نتیجہ میں ہندوستانی منڈی برطانوی مصنوعات سے بھر گئیں۔

کیا آپ جانتے ہیں کہ ریلوے نے ملک کی قومی بیداری میں بھی ایک اہم رول ادا کیا؟ اس نے لوگوں اور تصورات کو ایک دوسرے کے قریب لانے میں مدد کی، جس کی توقع برطانیوں نے بھی نہیں کی تھی۔ کیا یہ ستم ظریفی نہیں تھی؟

نوٹس

متن پر مبنی سوالات 5.1

1۔ ہندوستان پر سیاسی کنٹرول قائم کرنے میں کون کامیاب ہوا؟

2۔ کس ہندوستانی حکمراں نے برطانیوں اور فرانسیسیوں کے درمیان چپقلش کو استعمال کرنے کی کوشش کی، لیکن وہ اس میں کامیاب نہیں ہوسکا؟

3۔ ہندوستان پر برطانیہ کے اقتدار کے کتنے مرحلوں کو دیکھا جاسکتا ہے؟

5.2 اٹھارہویں صدی کا ہندوستان: معیشت، سماج اور ثقافت

اٹھارہویں صدی کا ہندوستان کئی تضادات اور تنازعات کی تصویر تھا۔

معاشی طور پر زراعت لوگوں کا عام پیشہ تھی، چونکہ حکمراں متواتر جنگوں میں مصروف رہتے تھے ان کے پاس ملک کے زرعی حالات کو سدھارنے کے لیے وقت نہیں تھا۔

مغلوں کے دورِ حکومت کے تحت بیرون ملک سے تجارت کو فروغ ملا۔ ہندوستان خلیج فارس کے علاقہ سے موتی، خام ریشم، اون کھجوریں، خشک میوے درآمد کرتا تھا۔ کافی، سونا، دوائیاں اور شہد عرب سے آتا تھا، چائے، پروسیلین اور ریشم چین سے درآمد ہوتا تھا۔ سامان آسائش تبت، سنگاپور، انڈونیشیائی جزائر، افریقہ اور یوروپ سے آتا تھا۔

ہندوستانی خام ریشم، ریشمی کپڑے، تیل، چینی، کالی مرچ اور دوسری کئی چیزیں برآمد کرتا تھا۔ ہندوستان کے سوتی کپڑے ساری دنیا میں مشہور تھے۔

تجارت کے اس قدر موزوں توازن کے باوجود متواتر جنگوں کی وجہ سے ہندوستان کے معاشی حالات سدھر نہیں سکے، ملک کے اندر سکھوں، جاٹوں، مراٹھوں کی بغاوتوں اور بیرونی حملوں مثلاً نادر شاہ (1739) اور احمد شاہ ابدالی (1761ء) نے ملک کے معاشی حالات کے سدھار میں رکاوٹ ڈالی۔

اٹھارہویں صدی عیسوی میں یوروپی ملکوں، مثلاً فرانس، انگلینڈ، پرتگال اور اسپین نے ہندوستان کے ساتھ تجارت میں دلچسپی دکھلائی۔ انھوں نے ملک کے سیاسی اور معاشی حالات کو ناپائدار بنایا اور بالآخر اس کی معیشت کو تباہ کردی، لیکن اس وقت تک خوبصورت دستکاریوں کی سرزمین کی حیثیت سے ہندوستان کی شہرت پوری دنیا میں پھیل چکی تھی۔

نوٹس

سماجی طور پر لوگوں کی سماجی اور ثقافتی زندگی کا کوئی یکساں نمونہ نہیں تھا۔ وہ خواہ ہندو ہوں یا مسلمان ان کے درمیان علاقہ، قبیلہ، زبان اور ذات کا فرق تھا۔ شادی بیاہ کے معاملہ میں ذات کے اصول کی پابندی کی جاتی تھی۔ اس کے علاوہ کھانے پینے، دعوتوں کے ساتھ ساتھ پیشے کے انتخاب میں بھی ذات پات کے اصول کا خیال رکھا جاتا تھا۔ ان اصولوں کو نہ ماننے والے کو برادری سے باہر کردیا جاتا تھا۔

سائنس کے میدان میں، وہ ہندوستان جو کافی پیش رفت کر چکا تھا، اس دور میں اپنی ریاضی اور سائنس سے بیگانہ رہا۔ وہ سائنس کے میدان میں مغرب کی ترقی سے بے خبر رہا۔

ان ادوار کے دوران سماج میں استادوں اور معلموں کا احترام کیا جاتا تھا۔ تعلیم کی روایت گہری تھی۔ طالب علموں کو پڑھنے اور لکھنے کے ساتھ ساتھ حساب بھی سکھایا جاتا تھا۔ لڑکیاں بہت کم اسکول جاتی تھیں۔ ریاست تعلیم کی سرپرستی نہیں کرتی تھیں، لیکن مقامی حکمراں، طبقۂ اشرافیہ کے رکن اور ذی حیثیت افراد کی جانب سے تعلیمی سرگرمیوں کی ہمت افزائی کی جاتی تھی۔

ہندو، مسلم تعلقات

ان دونوں مذاہب کے درمیان دوستانہ تعلقات موجود تھے۔ مذہبی رواداری پر عمل کیا جاتا تھا، جنگیں سیاسی نوعیت کی ہوتی تھیں اور مذہبی بنیادوں کے بجائے خودغرضانہ مقاصد کے لیے لڑی جاتی تھیں۔ دونوں برادریوں کے لوگ ایک دوسرے کے تہواروں میں شرکت کرتے تھے۔ بہت سے ہندو مسلم اولیا سے عقیدت رکھتے تھے اور مسلم ہندو دیوتاؤں اور سنتوں کا احترام کرتے تھے۔ درحقیقت ہندوؤں اور مسلمانوں کے اعلیٰ طبقہ میں کئی چیزیں مشترک تھیں جبکہ ان کی اپنی برادری کے ذیلی طبقہ میں یہ یکسانیت نظر نہیں آتی تھی، اس کے علاوہ مسلمانوں نے ہندوستانی طرز اور ثقافت کو اس خوبی کے ساتھ اپنایا تھا کہ ان میں اور مقامی لوگوں میں فرق کرنا مشکل تھا۔

5.3 سماجی حالات

صدی کے اختتام تک عورتوں کے حالات بہت زیادہ خراب تھے۔ لڑکی کی پیدائش کو بدقسمتی سمجھا جاتا تھا، لڑکیوں کی شادی ان کے بچپن میں ہی کردی جاتی تھی۔ کثرت ازدواج کی اجازت تھی، عورتوں کو املاک یا طلاق کا حق نہیں تھا۔

دائمی بیوگی سماج کا حکم تھا اور یہ خاص طور سے اعلیٰ طبقہ میں رائج تھا۔ یہ بیوائیں رنگین کپڑے نہیں پہن سکتی تھیں یا شادیوں میں شرکت نہیں کرسکتیں تھیں کیونکہ ان کی موجودگی کو بدشگونی سمجھا جاتا تھا۔ بعض دفعہ معصوم لڑکیاں بھی بیوہ ہوجاتی تھیں اور ان کے اوپر دائمی بیوگی تھوپ دی جاتی تھی۔

دوسری ذاتوں میں شادی کی اجازت نہیں تھی۔ یہاں تک کہ موجودہ سماجی نظام میں بھی نچلی ذات کے کسی فرد کو اونچی ذات کے لوگوں کے ساتھ کھانا کھانے کی اجازت نہیں تھی۔ مسلم عورتوں کی حالت بھی تقریباً ایسی ہی تھی۔ انھیں پردے، کثرت ازدواج، تعلیم اور املاک میں حقوق کے فقدان کی وجہ سے کڑے حالات کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔

نوٹس

5.4 سماجی اور مذہبی مصلحین

ایسٹ انڈیا کمپنی کے ساتھ عیسائی پادری بھی ہندوستان آئے تھے تاکہ وہ بپتسمہ، شادی، تدفین کی رسوم اور چرچ کی سروس انجام دیں، لیکن ان پادریوں نے جلد ہی کمپنی کے غیر عیسائی ملازمین کے درمیان عیسائیت کی تبلیغ شروع کردی۔ انھوں نے آہستہ آہستہ اسکول کھولنا شروع کردیے، جس میں ہندوستانی بچوں نے پڑھنا شروع کردیا۔ یہ یہی مشنریاں تھیں، جنھوں نے عیسائی تبلیغی مواد اور ادب کو پھیلانے کے لیے پرنٹنگ پریس شروع کیے اور اخبار و رسائل چھاپے۔

عیسائیت کے پروپگنڈہ کے ساتھ ساتھ انگریزی تعلیم کو بھی رائج کیا گیا، جس نے ہندوستانی معیشت اور سماج پر گہرا اثر ڈالا، گو کہ انگریزی تعلیم کو برطانیہ کی سیاسی اور انتظامی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے رائج کیا گیا تھا، لیکن اس نے ہندوستانیوں کے لیے مغرب کے دروازے کھول دیے۔ انھوں نے حریت پسندی، معقولیت پسندی، جمہوریت، مساوات اور آزادی کے تصورات کو اپنایا۔ جلد ہی انگریزی زبان، انگریزی تعلیم حاصل کیے ہوئے ہندوستانیوں کی اظہارِ خیالات کی زبان بن گئی اور ایک طاقتور ذریعہ بن گئی۔

رام موہن رائے

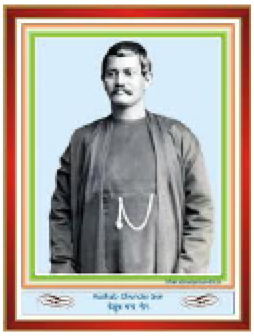

رام موہن رائے کو ہندوستان میں دورِ جدید کے نقیب کے طور پر جانا جاتا ہے۔ ان کو کئی زبانوں پر عبور حاصل تھا، جن میں یونانی اور لاطینی زبانیں بھی شامل تھیں۔ ہندو سماج کی اصلاح اور ہندوستان کو بیدار کرنے میں ان کا رول انتہائی اہم تھا۔ اس وقت چونکہ ہندو طور طریقوں کی بڑی تعداد کو ہندو قواعد سے جوڑ دیا گیا تھا۔ رام موہن رائے نے مذہبی کتابوں سے بڑی تعداد میں حوالے دے کر یہ دکھلایا کہ یہ حقیقت نہیں ہے۔ اس میں سب اول ستی کی رسم تھی۔ ستی میں بیوہ اپنے آپ کو اپنے مردہ شوہر کی چتا پر جلا لیتی تھی۔ یہ رسم بنگال اور راجستھان کے کچھ مختلف علاقوں میں خود اپنایا ہوا طریقہ بن گیا تھا۔ رام موہن رائے نے اس رسم کی سخت سے مخالفت کی اور بالآخر اس پر پابندی لگوائی۔ انھوں نے ''برہمو سماج'' کی داغ بیل ڈالی جس نے

نوٹس

معقولیت پسندی اور سماجی مساوات کے ان کے پیغام کو پھیلایا۔ ان کے پیروکار سب سے برتر و اعلیٰ بھگوان (وحدانیت) کو مانتے تھے اور مورتی پوجا، ایک سے زیادہ دیوتاؤں کی پوجا اور مذہبی رسوم کی مخالفت کرتے تھے۔

راجہ رام موہن رائے کے بعد دبیندر ناتھ ٹیگور نے برہمو سماج کے رہنما کی حیثیت سے ان کی جگہ سنبھالی (1817-1905)انھوں نے سماج میں نئی زندگی ڈالی اور راجہ رام موہن رائے کے تصورات کا پروپگنڈہ کیا۔ ٹیگور کے بعد برہمو سماج کی قیادت کیشیب چندرسین نے سنبھالی (1838-1884)اس پورے دور میں سماج نے شخصی آزادی، قومی آزادی، یکجہتی، سبھی سماجی اداروں اور سماجی تعلقات کی جمہوریت کاری پر زور دیا۔ برہمو سماج ہندوستان میں قومی بیداری کے تاثر کے پہلے ادارے کے طور پر ابھرا۔

پرارتھنا سماج اور راناڈے

پرارتھنا سماج بمبئی میں ڈاکٹر آتما رام پانڈورنگ نے 1867میں قائم کیا تھا۔ انھوں نے بین ذات کھانا پینا، بین ذات شادیوں، بیواؤں کی دوبارہ شادی اور عورتوں اور کچلے ہوئے لوگوں کی قسمت کو بہتر بنانے کی روایات کو مشتہر کیا۔ رانا ڈے کے مطابق مذہب میں کٹّر پن سماجی، معاشی اور سیاسی میدانوں میں کامیابی کے راستہ میں رکاوٹ ڈالتا ہے۔ وہ خدا کی وحدانیت پر یقین رکھتے تھے اور مورتی پوجا کے ساتھ ساتھ ذات پات کے نظام کے مخالف تھے۔

رام کرشن پرمہنس

رام کرشن مشن کی داغ بیل سوامی وویکانند نے ہندوستانی سماج میں نئی روح پھونکنے کے لیے ڈالی تھی۔ وہ گدادھر چٹوپادھیائے کے شاگرد تھے جو بعد میں رام کرشن پرمہنس کے نام سے مشہور ہوئے۔

وویکانند نے رام کرشن پرمہنس کی تعلیمات کو آخری شکل دی۔ انھوں نے کشادہ دلی، آزادانہ اندازفکر اور مساوات کی حمایت کی۔ انھوں نے سبھی مذاہب کی وحدت پر زور دیا۔ انھوں نے ویدانت کے فلسفہ کو ابھارا جوان کے خیال میں فکر و خیالات کا انتہائی معقولیت پسندانہ نظام تھا۔

تھیوسوفیکل سوسائٹی اور اینی بیسینٹ

میڈیم ایچ۔ پی۔ بلاوتسکی (91-1837) اور کرنل ایچ۔ ایس اولکاٹ کے ذریعہ تھیوسوفیکل سوسائٹی کے قیام نے اصلاحی تحریک کو اور بھی زیادہ تقویت دی۔

اینی بیسینٹ نے قدیم ہندوستانی مذاہب، فلسفوں اور عقائد کے مطالعہ کو بڑھاوا دیا۔ انھوں نے تعلیم کو بڑھاوا دینے کے لیے سینٹرل ہندو اسکول بھی قائم کیا۔

نرائن گُرو

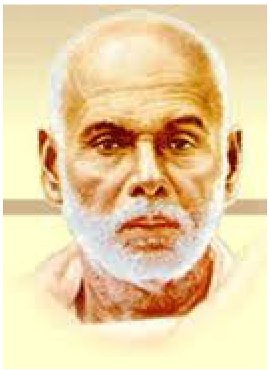

نرائن گرو جنوبی ہندوستان کے بہت بڑے سنت تھے۔ ان کا جنم ستمبر 1854 میں کیرل میں ہوا تھا۔ انھوں نے ابتدائی تعلیم ایک مقامی استاد کی رہنمائی میں حاصل کی۔ انھیں ملیالم، سنسکرت اور تامل زبانوں پر عبور حاصل تھا۔ انھوں نے اپنے سنِ بلوغ سے ہی تیاگ کی راہ اپنانے کی خواہش کی۔

اپنے والدین کی موت کے بعد وہ حقیقی علم کی تلاش کے سفر پر نکل پڑے۔ ان کا رابطہ چٹامبی سوامیگل سے ہوا وہ ان کے عظیم معاون ثابت ہوئے۔ انھوں نے اپنا خدمت مقدس سنتوں کی مذمت کرتے ہوئے گذارا، گوشۂ تنہائی میں خدا سے لو لگائی اور تیرتھ یاترائیں کیں۔ سوامیگل اور نرائن دونوں نے ہی یہ محسوس کیا کہ کیرل کی ہمہ گیر ترقی نائر اور اژاوا برادریوں کے درمیان فلاح و بہبود اور تعاون پر منحصر ہے۔ ان کا جنم بالترتیب ان ہی برادریوں میں ہوا تھا۔ ان دونوں برادریوں کے درمیان ٹکراؤ سے کیرل کے تباہ ہوجانے کا خطرہ پیدا ہوگیا تھا۔ انھوں نے دونوں برادریوں کو ایک دوسرے کے قریب لانے کے لیے کام کرنے کا فیصلہ کیا۔

نارائن گرو سماجی اور مذہبی مصلح تھے۔ انھوں نے اپنی زندگی ایک درویش کے طور پر گزاری اور کیرل کے لوگوں کی روحانی اور سماجی زندگی کو بہتر بنانے کے لیے بہت کچھ کیا۔

مسلم اصلاحی تحریک

سر سید احمد خاں مسلمانوں کے درمیان سب سے ممتاز سماجی مصلح تھے۔ انھوں نے یہ محسوس کیا کہ مسلمان جدید تعلیم حاصل کر کے ہی ترقی کر سکتے ہیں۔ سر سید احمد خاں مذہبی عدم برداشت، جہالت اور غیر معقولیت (غیر رواداری) کے خلاف تھے۔ انھوں نے پردہ کثرت ازدواج اور آسان طلاق کی مخالفت کی۔ انھوں نے علی گڑھ تحریک کا آغاز کیا اور علی گڑھ میں محمڈن اینگلو اورینٹل کالج قائم کیا جو بعد میں ترقی کر کے علی گڑھ مسلم

نوٹس

یونیورسٹی بن گیا۔ اس کا مقصد سائنس اور ثقافت کو پھیلانا تھا۔

علی گڑھ تحریک نے مسلمانوں کے احیا میں کافی مدد کی۔ اس نے انھیں ایک مشترکہ زبان اردو دی۔ اردو کتابوں کی طباعت کے لیے ایک پریس بھی قائم کیا گیا۔ وہ یہ محسوس کرتے تھے کہ مسلمان سیاست میں شامل ہوکر نہیں بلکہ تعلیم حاصل کرکے ترقی کر سکتے ہیں۔

سماجی اصلاح

کیا آپ جانتے ہیں کہ سبھی مذہبی اصلاح کاروں نے سماجی اصلاحی تحریک میں بھی مدد کی۔ وہ اس طرح کہ ہندوستانی سماج کے منفی خصوصیات مثلاً ذات پات اور جنسوں کے درمیان عدم مساوات پر ماضی میں مذہبی منظوری حاصل تھی۔ سماجی اصلاحی تحریکوں کے دو اہم مقاصد تھے اور یہ تھے: الف) عورتوں کی مجبور حالت کو ختم کرنا اور انھیں مردوں کے برابر مقام دینا، ب) ذات پات کے نظام کے کٹرپن کو ختم کرنا اور خاص طور سے چھوت چھات کی لعنت کو ختم کرنا اور پسماندہ طبقات کو ابھارنا۔

عورتوں کی آزادی

آج کل کی ہندوستانی سماجی زندگی میں سب سے زیادہ پر اثر تبدیلی عورتوں کی حیثیت کے سلسلے میں ہوئی ہے۔ ریاست اور مصلحین نے قانون سازی کے ذریعہ ابتدائی عمر کی شادیوں کے رواج کو ختم کرنے کی کوشش کی۔

عورتیں خود بھی ہر ممکن طریقے سے اپنی قسمت کو سدھارنے کی کوششوں میں سنجیدہ اور پر جوش تھیں اور خاص طور سے تعلیم کی بہتر سہولیات حاصل کرنے اور سماجی لعنتوں کو ختم کرنے کے لیے کوشاں تھیں۔ اب عورتوں میں سیاسی بیداری میں بھی اضافہ ہونے لگا تھا۔ 1930ء میں شاردا ایکٹ کی منظوری کے بعد شادی کے لیے لڑکوں کی کم سے کم عمر 18 اور لڑکیوں کی کم سے کم عمر 14 مقرر کردی گئی۔ کیا آپ جانتے ہیں کہ مہارشی کاروے کو تعلیم نسواں کے میدان میں ان کی عظیم خدمات کے لیے بھارت رتن کا خطاب دیا گیا تھا؟ انھوں نے لڑکیوں کے لیے اسکولوں کو شروع کرنے کے ساتھ بیواؤں اور مفلسوں اور محتاجوں کے لیے کارگاہیں کھولیں۔ جلد ہی اس تحریک نے رفتار پکڑ لی اور عورتوں کے لیے کئی اسکول اور کالج کھولے۔

ذات پات کے نظام کے خلاف جدوجہد

رام کرشن مشن اور آریہ سماج کے ذریعہ اس میدان میں وسیع پیمانے پر کام ہوا۔ آریہ سماج نے خاص طور

سے شدھی تحریک کے تحت کافی کام کیا۔ اس تحریک کے مقصد ان ہندوؤں کی شدھی کرنا تھا جنھوں نے اسلام یا عیسائی مذاہب اختیار کرلیے تھے اور پھر دوبارہ ہندو دھرم میں شامل ہونا چاہتے تھے۔

پسماندہ طبقات کے حق میں پیروی کرنے والے بی۔آر۔امبیڈکر اور مہاتما گاندھی تھے۔ امبیڈکر نے ان کے فائدے کے لیے کئی اسکول اور کالج کھولے۔ دوسری طرف مہاتما گاندھی نے اچھوتوں کے مفاد کی حمایت کی جنھیں وہ ہریجن کہا کرتے تھے۔ انھوں نے ان کے لیے مندروں کے دروازے کھولنے کا مطالبہ کیا اور ان کے ساتھ برابری کا برتاؤ کرنے پر زور دیا۔

آزاد ہندوستان کے آئین نے بھی اس تحریک کی قانونی اور آئینی حمایت کی۔ چھوت چھات کو ایک قابل سزا جرم قرار دیا گیا، لیکن ہم اب بھی مکمل مساوات اور انصاف پر مبنی سماج، ایک ایسے سماج کے بیش قیمت مقصد کے حصول سے کافی دور ہیں، جہاں مختلف سماجی اور معاشی پس منظر سے تعلق رکھنے والے مرد اور عورت خوش ہوں اور ان کی ضروریات کی تکمیل ہوتی ہو۔ ہمیں اس طرح کے حالات پیدا کرنے کے لیے ایک ساتھ مل کر کام کرنا ہوگا۔

سوامی دیانند

سوامی دیانند کا سب سے قیمتی اثاثہ سنسکرت زبان اور ویدوں پر ان کا عبور تھا۔ وہ یہ محسوس کرتے تھے کہ ہندو سماج میں لا تعداد سماجی اور مذہبی لعنتوں کے پیدا ہوجانے کی وجہ ویدوں کے بارے میں حقیقی معلومات کی کمی ہے۔ چنانچہ انھوں نے ہندو سماج پر مورتی پوجا اور عورتوں کی تعلیم کے تعلق سے نکتہ چینی کی۔

انھوں نے 1875ء میں آریہ سماج قائم کیا۔ اس کا خاص مقصد ویدوں سے متعلق درست معلومات کو لوگوں تک پہنچانا تھا اور ان لعنتوں کو دور کرنا تھا جو ہندو سماج میں دھرم کے نام پر گھس آئی تھیں۔ انھوں نے چھوت چھات کی مخالفت کی۔ اسی طرح وہ کثیر دیوتاؤں کی پوجا، اوتار واد اور رسم پرستی کے مخالف تھے۔ ان کا نعرہ تھا کہ ''ویدوں کو دوبارہ اپناؤ'' جس کی قدر و قیمت کو وہ سمجھ چکے تھے۔

نوٹس

ہندوستان کی تاریخ میں پہلی بار ان کی سرپرستی میں ویدوں کو چھاپا گیا۔ ذاتی طور پر ان کی سب سے اہم کتاب ''ستیہ یارتھ پرکاش'' (سچ کی روشنی) ہے۔

1883 میں سوامی دیانند کی موت ہوگئی۔ ان کے پیروکاروں نے 1806 میں لاہور (اب پاکستان میں) دیانند اینگلو ویدک کالج کی داغ بیل ڈالی۔ یہ دیانند اینگلو ویدک تحریک ان کے کام کو آگے بڑھاتی رہی اور آج اس کے تحت 750 سے اوپر ادارے کام کر رہے ہیں۔

ان دو اولین تحریکوں اور مشہور شخصیات اور تنظیموں مثلاً ایشور چندر ودیا ساگر اور رادھا کانت دیب، سوفیکل سوسائٹی اور آریہ سماج کے کاموں کی وجہ سے سماج میں تیزی سے بیداری آئی اور برطانویوں کی مدد سے کئی سماجی برائیوں پر پابندی لگائی گئی۔

جیوتی راؤ گووند راؤ پھولے

جیوتی راؤ گووند راؤ پھولے کا جنم 1827ء میں پونا میں ہوا۔ وہ ''جیوتبا'' کے نام سے مشہور تھے۔ ان کا تعلق مالیوں کی نچلی ذات کے خاندان سے تھا۔ ان کے مطابق نچلی ذاتوں اور عورتوں کی قسمت کو سدھارنے کا واحد راستہ تعلیم ہے۔ چنانچہ انھوں نے خاص طور سے نچلی ذاتوں کے لیے ایک اسکول کھولا اور اس کے ساتھ ساتھ 1873ء میں ستیہ شودھک سماج کا آغاز کیا۔ ان کا مقصد نام نہاد اچھوت اور پسماندہ طبقات کے لیے سماجی انصاف حاصل کرنا تھا۔ ان کے کام کو بعد کے برسوں میں اس وقت تسلیم کیا گیا، جب وہ پونا میونسپلٹی میں ممبر منتخب ہوئے۔

پنڈتا رما بائی (1858-1922)

اس وقت کے ہندوستان میں خاتون اصلاح کاروں میں ایک انتہائی اہم نام پنڈتا رما بائی کا ہے۔ ان کے والدین کی موت کے بعد وہ اپنے بھائی کے ساتھ ایک جگہ سے دوسری جگہ سفر کرتی رہیں اور پرانوں کے بارے میں تقریر کرتی رہیں۔ بالآخر ایک اسکالر اور مذہبی مقرر کی حیثیت سے ان کی شہرت دور دراز کے علاقوں تک پہنچی اور کلکتہ کے پنڈتوں نے شہر کے لوگوں سے خطاب کرنے کے لیے کلکتہ آنے کی دعوت دی۔ ہر ایک ان کے علم اور فنِ تقریر سے حیران رہ گیا۔ اس لیے لوگوں نے انھیں ''پنڈتہ'' کہنا شروع کر دیا۔ یہ ایک عالم فاضل خاتون کے لیے چھوٹا سا نذرانہ تھا۔

1882 میں رما بائی واپس پونے چلی آئیں۔ فطری طور پر ان کا رجحان پرارتھنا سماج کی جانب تھا۔ یہ

نوٹس

ایک اصلاحی سوسائٹی تھی اور مہاراشٹر میں برہموسماج کی تعلیمات کو پھیلاتی تھی۔ یہاں انھوں نے عورتوں کی حالت زار کو سدھارنے پر اپنی توجہ مرکوز کی۔ 1890 میں انھوں نے شارواسدن کا آغاز کیا جو بیواؤں کی پناہ گاہ تھی۔

مہادیو گووند رانا ڈے، آر۔ جی۔ بھدرا کر، دادا بھائی نوروجی، برہم جی ملباری وہ دوسری مشہور شخصیات تھیں، جنھوں نے مغربی ہندوستان میں سماجی اصلاحات کے لیے کام کیا۔

5.5 پریس اور جدید ہندوستانی زبانوں اور ادب کی افزائش

1798 میں لیتھوگرافی (سنگی طباعت) کی ایجاد ہوئی۔ اس میں تحریر، تصویر اور ڈرائنگ کو چھاپنے کے لیے مخصوص طریقے سے تیار کی گئی پتھریلی سطح کا استعمال کیا جاتا تھا۔ اس طریقہ سے ایک ہی متن کی کاپیاں بڑی تعداد میں چھاپی جاسکتی تھیں۔ 1820 کے بعد سے ہزاروں کی تعداد میں پمفلیٹس اور کتابیں طبع کی گئیں، جس نے ہندوستان کی بڑھتی ہوئی، خواندہ آبادی کی ضروریات کو پورا کیا۔ یہ وہ سب سے بڑی دین تھی جو مغرب نے ہندوستان کو دی تھی۔ اس کے نتیجہ میں ۱۹ویں صدی کے اختتام تک پریس رائے عامہ کو متاثر کرنے کا ایک بڑا آلہ بن گیا۔

چونکہ یہ نئے پرنٹنگ پریس زیادہ مہنگے نہیں تھے لہٰذا ان کی تعداد تیزی سے بڑھنے لگی۔ اس کی وجہ سے مصنفین کی ایک بڑی تعداد کو مختلف ہندوستانی زبانوں میں ادب کی تخلیق کے لیے بڑھاوا ملا۔ ان کی اصل تخلیقات کے ساتھ ساتھ قدیم ہندوستانی انگریزی کلاسیکی ادب کے تراجم اور ان سے اخذ کردہ تصورات نے ہمارے ثقافتی ورثہ کو ثروت مند بنایا۔ اس سے ہندوستانی عوام کے درمیان آگہی پیدا کرنے میں مدد ملی۔

ہفت روزہ، پندرہ روزہ جرنلز تقریباً سبھی زبانوں میں چھپنے لگے۔ گو کہ اخبارات پڑھنے والے قارئین کی کل تعداد یوروپی ملکوں کی کل تعداد کے مقابلے میں کم تھی، لیکن ناولوں، مضامین اور نظموں کی شکل میں قومی ادب کے مجموعی طور پر ایک نئے سیٹ نے قومیت پرستی کو جگانے میں ایک اہم اور نمایاں رول ادا کیا۔ بنکم چند کے ''آنند مٹھ''، دینا بندھو مترا کے ''نیل درپن''، بھرتیندو ہریش چندر کے ''بھارت درشن''، آسامی زبان میں ''لکشمی ناتھ بازبروا''، تامل میں ''سبرامنیم بھارتی'' اور اردو میں الطاف حسین کی تخلیقات نے ہندوستانیوں کے ذہنوں کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔

اخبارات کا رول

چنانچہ ۱۹ویں صدی کے اختتام تک پریس، رائے عامہ کو بنانے، پھیلانے، متاثر کرنے اور رواں کرنے کا ایک اہم ذریعہ بن چکا تھا۔

نوٹس

اس کے نتیجہ میں اخبارات حکومتی پالیسیوں پر تبادلۂ خیال کرکے، نکتہ چینی کرکے اور تبصرے کرکے برطانیہ مخالف احساسات وتاثرات کو پھیلانے میں ایک اہم اور نمایاں رول ادا کرنے لگے۔ اس کے علاوہ ان میں بڑے سماجی اور معاشی مسائل کے بارے میں بھی لکھا جانے لگا۔ اس سے ہمہ گیر ہندوستانی بیداری کو بڑھانے اور ہندوستانی عوام کو اہم سیاسی آگہی دینے میں مدد ملی۔

اس دور کے کچھ اہم ہندوستانی اخبارات تھے۔

بنگال: دی ہندو پیٹریاٹ (انگریزی)

دی امرت بازار پتریکا (انگریزی)

بمبئی: مہارتھ (انگریزی)، کیسری (مراٹھی)

مدراس: دی ہندو (انگریزی)، سودیش مترن (تامل)

پنجاب: دی ٹری بیون (انگریزی)

کوہ نور، اخبار عام (اردو)

5.6 ہندوستان آزادی کے بعد

آزاد ہندوستان اپنی کامیابیوں پر بجا طور پر فخر کرسکتا ہے۔ آزادی کے بعد کے ہندوستان کی ایک سب سے اہم کامیابی ایک سیکولر اور جمہوری ریاست کا قیام تھا۔ حکومت کا جمہوری نظام، جسے آزادی کے بعد اپنایا گیا، وقت کی آزمائشوں سے گذرا اور آج ہندوستان دنیا کی سب سے بڑی پارلیمانی جمہوریہ ہے۔ سابقہ شاہی ریاستوں کا ہندوستانی یونین میں الحاق ایک بڑی کامیابی ہے۔ ریاستوں کی ازسرنو تنظیم کاری کا عمل آج بھی جاری ہے اور عوام کی ضروریات اور خواہشات کے مطابق نئ ریاستوں اور مرکز کے زیر انتظام علاقوں کی تشکیل کی جاتی رہتی ہے۔ آزادی کے بعد ملک میں سماجی انصاف کے ساتھ معاشی ترقی کو یقینی بنانے کے لیے معاشی منصوبہ بندی کو رائج کیا گیا۔ اس کے نتیجہ میں ہندوستان نے معاشی فروغ کے میدانوں اور خاص طور سے زراعت اور زراعت پر مبنی صنعتوں کے میدان میں قابلِ لحاظ پیش رفت کی ہے۔ ہندوستان نے سائنس اور تکنالوجی کے میدانوں میں قابلِ تعریف ترقی کی ہے۔ نئ اور اعلیٰ ترین تکنالوجی کے علاقوں میں بھی وہ انتہائی ترقی یافتہ ملکوں کی تیزی کے ساتھ برابری کررہا ہے۔ اب ہندوستان کی معاشی ترقی اور سیاسی پائداری اور اس علاقہ میں اس کے ڈپلومیٹک مقام کی وجہ بین الاقوامی میٹنگوں میں اس کی آواز کو سنجیدگی اور احترام کے ساتھ سنا جاتا ہے۔ اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل میں ہندوستان کو مستقل ممبر بنانے کے سوال کو آج وسیع پیانے پر حمایت حاصل ہورہی ہے۔

نوٹس

5.6.1 قومیت پرست تحریک ایک آغاز

برطانوی سامراجی نو آبادکاری ہر میدان میں ہندوستان کی پسماندگی کا بڑا سبب تھی۔ ہندوستانی عوام اب اس حقیقت کو سمجھنے لگے تھے۔ کسان اور دیہی لوگ اور محنت کش برطانوی لالچ اور بے حسی سے سب سے زیادہ برے طور پر متاثر تھے۔ صنعت کار اور سرمایہ دار بھی برطانوی حکومت سے مطمئن نہیں تھے۔ اس موقع پر دانشور طبقہ نے ایک اہم اور نمایاں رول ادا کیا۔ انھوں نے ہندوستان میں برطانوی حکومت کی جہتی نوعیت کو سب سے پہلے شناخت کیا۔ یہ ابتدائی امید کہ برطانوی کریم النفس حکمراں ہوں گے بکھر چکی تھی۔ اب وہ دیکھ سکتے تھے کہ برطانوی لالچی اور خودغرض ہیں۔ وہ صرف اپنے ذاتی مفادات کو ہی سامنے رکھتے ہیں۔ 19ویں صدی تک تمام ہندوستانی عوام اس حقیقت سے متفق ہوگئے تھے اور یہ سمجھ چکے تھے کہ ان کا ایک مشترک دشمن ہے اور وہ ہے برطانوی حکومت، جو اپنے مفاد کے لیے ہندوستان کو تباہ و برباد کردینے کے درپے ہے۔ برطانوی حکومت نے اس ملک انتظامی اور معاشی اتحاد کو بنانے کی کوشش ضرور کی۔ انھوں نے ریلوے، ٹیلیگراف اور ڈاک کے نظاموں کو رائج کرنے کے ساتھ ساتھ سڑکیں اور موٹر ٹرانسپورٹ بھی فراہم کیا۔ مغربی خیالات وتصورات اور تعلیم ہندوستانی عوام کی بیداری کو جگانے میں مدد کی۔ جمہوریت، انسان دوستی اور عوام کے اقتدارِ اعلیٰ کے جدید تصورات نے ہندوستانیوں کی رہنمائی قومیت پرستی کی جانب کی۔ پریس اور ادب نے قومیت پرستی کے احساسات کو پھیلانے میں یکساں طور پر اہم رول ادا کیا۔ اس وقت کئی محبِ وطن مصنفین تھے جنھوں نے اپنی تحریروں سے لوگوں کو بیدار کیا۔ 19ویں صدی میں ہندوستان نے اپنی قدیم فخر وشان کو بھی تازہ کیا۔ اس کی رہنمائی کچھ فراخ دل یورپیوں نے بھی کی، جنھوں نے ہندوستان کے ماضی کا مطالعہ کیا اور اس کی گہرائی اور فخر و شان کو واضح کیا۔ ہندوستان میں برطانوی حکمرانوں کے ہاتھوں نسلی گھمنڈ اور استحصال، البرٹ بل کے غلاف برطانویوں کے احتجاج، لارڈ لیوٹن کے ہندوستان مخالف اقدامات یہ سب ہندوستانیوں کے درمیان برطانوی مخالف جذبات میں شدت کا سبب بنے۔ یہ سارے احساسات ۱۹ویں صدی کے دوران اس ملک میں قومیت پرستی کے جذبہ پھیلاؤ کا سبب تھیں۔ انڈین نیشنل کانگریس کی آمد کے ساتھ ان احساسات نے قومیت پرست تحریک کی شکل اختیار کرلی، جس کا آغاز اے۔ او۔ ہیوم نے 1885 میں کیا تھا۔ انڈین نیشنل کانگریس کی تاریخ ہندوستان میں قومیت پرست تحریک کی تاریخ بن گئی۔ اس مدت کے دوران، یعنی انڈین نیشنل کانگریس کی ابتدا کے پہلے 20 برسوں کے دوران اس کو سیاسی طور پر کوئی خاص فائدہ نہیں ہوا، لیکن یہ سیاسی بیداری اور اتحاد کے احساس کو جگانے میں کامیاب ہوئی۔ اس مرحلہ کو قومی تحریک میں اعتدال پسندوں کا دور کہا جاسکتا ہے۔

مسلم لیگ کی تشکیل کو انگریز حاکموں کی ''بانٹو اور حکومت کرو'' کی پالیسی کا پہلا ثمر کہا جاسکتا ہے۔ برطانوی خوش تھے کہ وہ 6.2 کروڑ مسلمانوں کو ہندوؤں سے الگ کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ اس طرح سے

نوٹس

اس ملک میں فرقہ پرستی کی مہیب عفریت نے سر ابھارا۔

ہوم رول تحریک

1914ء میں پہلی عالمی جنگ چھڑ گئی۔ کانگریس نے انگریزوں کی حمایت کرنے کا فیصلہ کیا۔ یہ تسلیم کیا جاتا تھا، اور خاص طور سے اعتدال پسندوں کا یہ ماننا تھا کہ برطانوی جنگ کے بعد ہندوستان کو آزادی دے دیں گے۔ لیکن جلد ہی یہ احساس ہوگیا کہ یہ امید پوری نہیں ہوگی، اس لیے کہ یہ جنگ نوآبادیوں کو برقرار رکھنے کے لیے لڑی جارہی ہے۔ اس کے نتیجہ میں 16-1915 کے دوران ہوم رول لیگ کا قیام کیا گیا۔ ان میں سے ایک کا آغاز تلک نے پونا میں اور دوسری کا اینی بیسنٹ نے مدراس میں یا۔ ان لیگوں کا مقصد سوراج یا خودحکومت حاصل کرنا تھا۔ انھوں نے ہندوستانی قومیت پرستوں کو ایک متعین مقصد فراہم کیا۔ اس تحریک نے پرتشدد اور انقلابی طریقوں کو اپنانے سے گریز کیا۔ ہوم رول لیگ نے کانگریس کے ذیلی یونٹ کے طور پر کام کیا۔

5.6.2 1905 سے 1918 تک کی مدت

1905 سے 1908 تک کی مدت کو ہماری قومی تحریک میں شدت پسندوں کے دور کے طور پر جانا جاتا ہے۔ انھوں نے ان بنیادوں پر اعتدال پسندوں پر نکتہ چینی کی — ہندوستان کے سیاسی مقاصد کی وضاحت میں ناکامی، ملکے اور غیر مؤثر طریقوں کا استعمال اور تحریک کو عوامی تحریک بنانے میں ناکامی۔ شدت پسند راست سیاسی کارروائی پر یقین رکھتے تھے اور وہ آئینی اصلاحات کے بجائے سوراج یا خودحکومت چاہتے تھے۔ شدت پسندوں کے بنیاد پرست حصہ کی رہنمائی لال، بال، پال کا مشہور تکون یعنی لالہ لاجپت رائے، بال گنگا دھر تلک اور بپن چندر پال کر رہے تھے۔ ان کے علاوہ دوسرے ممتاز رہنما، بنکم چندر، سوامی وویکانند، سوامی دیانند سرسوتی اور بندوگھوش تھے، جنھوں نے اپنے تصورات اور تبلیغ کے شدت پسند فلسفے سے عوام میں تحریک پیدا کی۔

ہندوستان میں کرزن کی استبدادی پالیساں، جن کی انتہا 'بانٹو اور حکومت کرو' کی لائن پر فرقہ ورانہ بنیاد پر بنگال کی دو حصوں میں تقسیم تھی، فوری احتجاج کا سبب بن گئی۔ بنگال کی تقسیم کے خلاف زبردست احتجاج کیا گیا۔ اس کے لیے غیرملکی مصنوعات بائیکاٹ اور سودیشی یا دیسی طور پر تیار شدہ مصنوعات کو اپنانے کا طریقہ اپنایا گیا۔ ''بائیکاٹ اور ''سودیشی'' ملک میں تیزی کے ساتھ پھیل اور پورے ملک کی تحریکیں بن گئے۔ طالب علموں اور عورتوں سمیت ملک کے سبھی طبقات نے ان احتجاجات میں حصہ لیا۔ برطانوی حکومت نے ان احتجاجات کو دبانے کے لیے ہرطرح کے متشدد استبدادی کارروائیاں کیں۔

نوٹس

5.6.3 1919 سے 1934 تک کی مدت

مونٹا گو۔شیمفورڈ اصلاحات نے حکومت ہند کے 1919 کے ایکٹ کے ساتھ صوبوں میں دو عملی حکومت کو رائج کیا، اعتدال پسندوں نے ان اصلاحات کا خیر مقدم کیا جبکہ شدت پسندوں یا غیر اعتدال پسندوں نے ان کو رد کر دیا۔ 1919ء میں ہی رولٹ ایکٹ منظور کیا گیا جس کا مقصد سیاسی تشدد کو دبانا تھا۔ اس مرحلہ پر ہندوستان کی تحریک آزادی کے میدان میں ایک نیا چہرہ ابھرا۔ یہ چہرہ مہاتما گاندھی کا تھا، جنھوں نے کانگریس کی اعلیٰ قیادت میں خالی ہوئی جگہ کو بھرا۔ گاندھی نے جنوبی افریقہ میں ہندوستانیوں کے ساتھ فرق و امتیاز کے رویّے کے خلاف تحریک چلائی تھی۔ انھوں نے ستیہ گرہ (سچائی کی طاقت یا پیار و محبت کی طاقت یا نفس کی طاقت) کو سیاسی ہتھیار کے طور پر استعمال کیا۔ ہندوستان میں ان کی پہلی فتح چمپارن ستیہ گرہ تھا۔ یہ ہندوستان میں جدوجہد آزادی کا تیسرے مرحلہ کا آغاز تھا، جس کو گاندھیائی دور کہا جا سکتا ہے۔ رولٹ ایکٹ کے خلاف ایک تحریک شروع کی گئی، لیکن گاندھی نے اس کو واپس لے لیا، کیونکہ اس کے سلسلہ میں تشدد پھوٹ پڑا تھا۔ وہ تشدد کے سخت مخالف تھے۔ جلیانوالہ باغ کا قتل عام 13/ اپریل 1919ء میں امرتسر میں ہوا۔ جنرل ڈائر کے حکم پر 1000 سے زیادہ آدمیوں کو گولیوں سے بھون ڈالا گیا۔ خلافت تحریک کا آغاز نومبر، 1919 میں ہوا۔ اس کا مقصد ترکی کے مسئلہ پر مسلمانوں کے ساتھ ہوئی ناانصافی کو سدھارنے کے لیے دباؤ ڈالنا تھا۔ خلافت تحریک گاندھی جی کی قیادت میں عدم تعاون کی تحریک میں ضم ہوگئی۔ انھوں نے 10/ مارچ، 1920 میں ایک مینی فیسٹو جاری کیا، جس میں انھوں نے عدم تشدد، عدم تعاون کی اپنی فلاسفی کی وضاحت کی۔ انھوں نے روزگاروں، عدالتوں، اسکولوں، پروگراموں اور مصنوعات سمیت ہر برطانوی چیز کے بائیکاٹ کا ایک تفصیلی پروگرام پیش کیا۔ مودیشی کو بڑھاوا دینے، چھوت چھات سے نجات حاصل کرنے اور ہندو۔ مسلم اتحاد سمیت انھوں نے ایک تعمیری ہر کام شروع کیا۔ سی۔ آر۔ داس اور موتی لعل نہرو نے سوراج پارٹی کے پرچم تلے کونسلوں کے اندر سے نظام کو توڑنے کی کوشش کی، لیکن ان کی ان کوششوں کو تین برسوں کے اندر ہی ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ 1922ء میں انقلابی سرگرمیوں کا دوبارہ آغاز ہوگیا اور ان کا سلسلہ 1934ء تک چھٹ پُٹ واقعات کی صورت میں چلتا رہا۔ ممتاز اور نمایاں انقلابیوں میں بھگت سنگھ، راج گرو، چندر شیکھر آزاد، بسمل، اشفاق اللہ اور دوسرے کئی انقلابیوں کے نام شامل تھے۔ انقلابی کمیونسٹ مثلاً ایم۔ این۔ رائے ڈانگے اور مظفر تھے۔ کچھ کمیونسٹوں کو میرٹھ سازش کے جرم میں طویل مدتی سزائے قید دی گئی۔ سائمن کمیشن 1919ء میں بنا اور سیاسی صورت حال کا جائزہ لینے کے لیے اسے ہندوستان بھیجا گیا۔ یہ کمیشن ہندوستان میں جہاں بھی گیا وہاں اسے غیر متشدد لیکن شدید احتجاجی مظاہروں کا سامنا کرنا پڑا، اس لیے کہ اس کمیشن میں کسی بھی ہندوستانی کو شامل نہیں کیا گیا تھا۔ لالہ لاجپت رائے لاہور میں ایک پُر امن مظاہرے کی قیادت کرتے ہوئے لاٹھی چارج کے زخموں کی تاب نہ لاکر چل بسے۔ 1928ء میں نہرو رپورٹ کے طور پر ہندوستان کے آئین کا ایک

نوٹس

خاکہ پیش کیا گیا۔ 1929ء میں لاہور میں کانگریس کے اجلاس میں پورن سماج کے نعرے کو مقصد کے طور پر استعمال کیا گیا۔ 26/جنوری، 1930ء کو یوم آزادی کے طور پر منایا گیا۔ گاندھی جی نے نمک ستیہ گرہ کا آغاز کیا، جس کو عام طور پر ڈانڈی مارچ کے نام سے جانا جاتا ہے۔ سول نافرمانی کی تحریک 1934ء تک چلی۔ اس درمیان میں گول میز کانفرنس منعقد ہوئی، لیکن اس تحریک کو ترک کرنا پڑا۔ گاندھی اکتوبر، 1934ء میں کانگریس سے سبکدوش ہوگئے۔ انھوں نے کچلے ہوئے طبقہ اور اچھوتوں کے کاز کو آگے بڑھایا جنھیں وہ ''ہریجن'' کہا کرتے تھے۔ ہریجن سیوک سنگھ کا قیام عمل میں آیا۔

5.6.4 آزادی کا حصول

1935ء میں ہندوستانی گورنمنٹ کا ایکٹ منظور ہوا۔ یہ کل ہند فیڈریشن کے تصور پر مبنی تھا۔ صوبائی خود مختاری کو رائج کیا گیا۔ اس وقت صرف 14% آبادی ووٹ دے سکتی تھی۔ مسلمانوں، سکھوں، ہندوستانی عیسائیوں، اینگلو ہندوستانیوں اور یورپیوں کو علیحدہ حق انتخاب دیا گیا۔ یہ ایکٹ قومی اتحاد کے ظہور پذیر ہونے کی راہ میں رکاوٹ تھا۔ کانگریس نے اس ایکٹ کی مذمت کی لیکن اس نے انتخابات میں حصہ لینے کا فیصلہ کیا۔ انتخابات 1937ء میں منعقد ہوئے۔ 11 میں سے 7 صوبوں میں کانگریسی وزارتیں قائم ہوئیں۔ اس سے لوگوں کو کئی طریقوں سے سکون ملا۔ سوشلسٹ تصورات نے کانگریس کے ساتھ ساتھ اس کے باہر بھی اپنا اثر جمایا۔ کانگریس کے ممتاز رہنما نہرو اور بوس بھی سوشلسٹ تصورات سے متاثر ہوئے۔ ''بانٹو اور حکومت کرو'' کی انگریزوں کی پالیسی فرقہ واریت کا سبب بنی۔ برطانوی حکمرانوں نے ایک برادری کو دوسری برادری سے بھڑانا شروع کردیا۔ انھوں نے مسلمانوں کے ساتھ ہمدردی جتا کر انھیں ''اقلیتی حقوق'' کی حیثیت سے مراعات کا مطالبہ کرنے پر اکسایا۔ اس سے ان کا مقصد قوم پرستی کے تیزی کے ساتھ ابھرتے ہوئے جذبات کی رفتار کو کم کرنا تھا۔ اس کے نتیجہ میں 1938ء میں دو قوموں کا نظریہ ابھر کر سامنے آیا، جسے 1940ء میں جناح نے واضح طور پر سامنے لادیا۔ جب 1939ء میں دوسری عالمی جنگ شروع ہوئی تو کانگریس نے مکمل آزادی کا مطالبہ کیا۔ غیر مسلم فرقہ واریت نے مسلم فرقہ واریت کی یہ صورت حال فرض نہیں کی تھی۔ یہ کسی حد تک موخر الذکر کا ردعمل تھا۔ ہندو مہا سبھا کا ایک اجلاس 1933ء میں بنارس میں ہوا۔ سوامی دیانند نے آریہ سماج قائم کیا تھا اور شدھی تحریک جو آریہ سماج کے تحت چلائی جارہی تھی ہندو کمیونٹی کو مضبوط اور ان کے تزکیہ کرنے کے مقصد سے تھی۔ ڈاکٹر ہیگ واڑ نے راشٹریہ سوئم سیوک سنگھ (RSS) قائم کیا، اس کا مقصد ہندوؤں کو بیدار کرنے اور منظم کرنے کے ساتھ ساتھ قوم پرستی کی شدت ان کے دل اور روح میں اتارنا تھا۔ اس مقصد کے لیے شاکھا تکنیک کی شروعات کی گئی۔ جب 1939ء میں دوسری عالمی جنگ شروع ہوئی تو کانگریس نے مکمل آزادی کا مطالبہ کیا۔ کرپس مشن نے 1942ء میں ''ڈومنی ان چیشت'' دینے کی پیش کش کی جسے کانگریس نے مسترد کردیا۔ اگست، 1942ء میں کانگریس اور گاندھی جی نے مکمل آزادی کے حصول کے لیے

نوٹس

’’ہندوستان چھوڑو‘‘ تحریک شروع کی۔ اس مدت کے دوران جے پرکاش نرائن کی سرکردگی میں بھی تحریک جاری رہی۔ یہ تحریک جس میں پرتشدد اور عدم تشدد دونوں طرح کے طریقے استعمال کیے گئے ناکام ہوگئی، لیکن انگریز یہ محسوس کر چکے تھے، انھیں جلد ہی اس ملک سے جانا ہوگا۔ سبھاش چندر بوس اور راس بہاری بوس نے 1943ء میں سنگاپور میں آزادیٔ ہند لیگ اور انڈین نیشنل آرمی (آئی این اے) کا آغاز کیا۔ جسے آزاد ہند فوج بھی کہا جاتا تھا۔ جاپان کی مدد سے انڈین نیشنل آرمی ہندوستان کی سرحدوں تک پہنچ گئی اور اس نے کوہیما پر قبضہ کرلیا، لیکن پھر اس کو پسپائی ہوئی اور برطانوی فوج نے جاپان کو شکست دے دی۔ انڈین نیشنل آرمی کی تحریک بھی ناکام ہوگئی جبکہ سبھاش چندر بوس ایک ہوائی حادثے میں ہلاک ہوگئے۔ (اگست 1945) جنگ کے بعد 1946 کے آغاز میں ہندوستان میں انتخابات منعقد ہوئے۔ کانگریس نے زیادہ تر سیٹیں جیتیں۔ ہندوستان کو اقتدار کی منتقلی کے عمل کو تیز کرنے کے لیے کیبنٹ مشن مارچ 1946ء میں ہندوستان آیا۔ اس نے 16/مئی کو اپنی سفارشات پیش کیں۔ کیبنٹ مشن نے اقتدار کو حتمی طور پر منتقلی کے لیے ایک واضح منصوبہ بنایا۔ کانگریس اور مسلم لیگ کے درمیان اس منصوبہ کو لے کر عدم اتفاق تھا۔ واقعات کے اس دھارے میں وائسرائے نے نہرو کی قیادت میں کانگریس کو عبوری حکومت قائم کرنے کی دعوت دی۔ مسلم لیگ بھڑک اٹھی اور اس کے نتیجہ میں فرقہ ورانہ فسادات بھڑک اٹھے اور بہت زیادہ خونریزی ہوئی۔ عبوری حکومت کچھ نہیں کرسکی اس لیے کہ لیگ نے کسی طرح کا تعاون نہیں کیا اور وہ ایک الگ مسلم ملک (پاکستان) کے اپنے مطالبہ سے ٹس سے مس نہ ہوئی۔ برطانوی وزیراعظم ایٹلی نے جون 1948 تک اقتدار کی منتقلی کا اعلان کیا۔ لارڈ ماونٹ بیٹن کو اس سلسلہ میں انتظامات کرنے کے لیے وائسرائے کی حیثیت سے ہندوستان بھیجا گیا۔ کانگریس کو کئی مجبوریوں اور خاص طور سے وسیع پیمانے پر ہورہی خونریزی اور لیگ اور جناح کے غیر مفاہمتی رویے کی وجہ سے تقسیم ہند کو منظور کرنا پڑا۔ 1947ء میں تقسیم کے بعد ہندوستان آزاد ہوگیا۔ رات بارہ بجے (14/15/اگست) اقتدار کی منتقلی عمل میں آئی۔

متن پر مبنی سوالات 5.1

1۔ خاص طور سے تیار کی گئی پتھر کی سطح سے تحریر کی چھپائی کے طریقہ کو کیا کہا جاتا ہے؟

2۔ ’’آنند مٹھ‘‘ کا مصنف کون تھا؟

3۔ ’’ویدوں کو دوبارہ اپناؤ‘‘ کا نعرہ کس نے دیا تھا؟

4۔ جیوتیبا پھولے نے ستیہ شودھک سماج کا آغاز کب کیا تھا؟

نوٹس

آپ نے کیا سیکھا

- پرنٹنگ پریس کی ایجاد، نشاۃ ثانیہ اور یوروپ میں اصلاحات علمیت کا سبب بنیں جنھوں نے لوگوں مذہبی عقائد کو پرکھنے اور جانچنے کی جانب مائل کیا۔
- مغرب کے ساتھ ہندوستان کے روابط کے مثبت اثرات ہوئے اس لیے کہ اس کی وجہ سے مذہبی اور سماجی اصلاحات ہوئیں، جنھوں نے سماجی لعنتوں مثلاً ستی کی رسم، کم عمری میں شادی، بیواؤں کی دوبارہ شادی سے انکار، ناخواندگی، نوزائدہ بچیوں کو مار ڈالنے اور ذات پات کے نظام کی مخالفت کی۔
- عظیم ویدک اسکالر سوامی دیانند کے پیروکاروں نے 1875ء میں آریہ سماج کی داغ بیل ڈالی اور چھوت چھات، کثیر الازدواجی اور مورتی پوجا کی مخالفت کی اور عورتوں کو برابر کی حیثیت دینے پر زور دیا۔
- 1798ء میں لیتھوگرافی کی ایجاد ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے اس نے کئی شہروں میں پرنٹنگ پریس قائم کرنے میں مدد دی اور اخبارات اور رسائل کی طباعت شروع ہوئی۔ اس سے جدید ہندوستانی زبانوں کو زبردست ترقی ملی۔

اختتامی سوالات

1۔ یوروپ میں نشاۃ ثانیہ اور اصلاحی تحریک کے ہندوستان پر کیا اثرات ہوئے؟
2۔ اصلاحی تحریک میں آریہ سماج کے رول کی پرکھ کیجیے۔
3۔ تعلیم کے میدان میں دیانند سرسوتی کا کیا تعاون تھا؟
4۔ لیتھوگرافی کیا ہے۔ اس نے ہندوستانی زبانوں کی افزائش میں کس طرح مدد کی؟
5۔ ہندوستانی عوام کی بیداری میں راجہ رام موہن رائے کے رول کی پرکھ کیجیے۔
6۔ ہندوستان کی جدوجہد آزادی پر ایک مضمون لکھیے۔

متن پر مبنی سوالات کے جوابات

5.1

1۔ انگلینڈ　　2۔ میسور کے ٹیپو سلطان　　3۔ تین مرحلوں میں

5.2

1۔ لیتھوگرافی　　2۔ بنکم چٹرجی　　3۔ سوامی دیانند

4۔ 1873